مولانا محمد علی جوہر

ایک صحافی کی حیثیت سے

محمد جہانگیر عالم

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی برصغیر پاک و ہند کی مسلم سیاست میں تبدیلی واقع ہونی شروع ہوئی۔ ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں کی اپنی جداگانہ سیاسی تنظیم مسلم لیگ کے نام سے معرض وجود میں آگئی اور مسلمانوں نے ملک کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اس صدی کے دوسرے عشرے میں مسلم سیاست میں واضح طور پر تبدیلی واقع ہوئی۔ اس تبدیلی کا باعث اور مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے والے اسباب اور عوامل میں سب سے نمایاں کردار مسلم صحافت نے ادا کیا۔ اس دور میں مسلم صحافت کے سرخیل مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ظفر علی خان تھے۔

مولانا محمد علی جوہر ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ[1] (۱۰ دسمبر ۱۸۷۸ء) کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اس وقت کے مروجہ طریق کے مطابق گھر پر حاصل کی۔ اس کے بعد بریلی کے ہائی سکول میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۰ء میں علی گڑھ بھیج دیئے گئے جہاں ان کی خدا داد صلاحیتوں کو پوری طرح اُبھرنے کا موقع ملا۔[2] ایک دفعہ علی گڑھ کالج کے پرنسپل موریسن نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ محمد علی تم ایک زمانے میں انگریزی کے بے مثل ادیب ہو گے۔ زمانہ جانتا ہے کہ موریسن کی پیش گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی اور وہ انگریزی کے ایک ایسے مایہ ناز ادیب بنے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں تو کیا کسی اور قوم میں بھی ان جیسا نہ ہو سکا۔ انگریزی ادبیات اور علم سیاسیات میں ان کا مقابلہ ہندوستان کی دوسری اقوام کے رہنماؤں میں سے بھی کوئی نہ کر سکتا تھا اور بہترین انگریزی دان اور ماہرین سیاست ان سے خم کھاتے تھے۔[3] ۱۸۹۶ء میں بی۔ اے کیا اور پورے صوبے میں اوّل آئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان گئے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی سے جدید تاریخ میں آنرز کی ڈگری حاصل کر کے ۱۹۰۲ء میں وطن واپس آئے۔ بقول سر محمد یعقوب ولایت سے ایک زبردست مضمون نگار ایک

پیشکش مقرر اور ایک ہونہار مدبر بن کر لوٹے۔[۴] قیام انگلستان کے دوران مولانا محمد علی جوہر سول سروس کے امتحان میں بیٹھے اور ناکام ہوئے۔ اس میں مصلحت خداوندی تھی کہ یہ جوہر کامل سول سروس کی کان نمک میں جا کر نمک محکومی نہ بن جائے۔ وہ سول سروس کے جھمیلوں سے الگ رہے اور ملک و قوم کے کام آئے۔[۵]

انگلستان سے واپسی پر مولانا محمد علی جوہر کا ارادہ تھا کہ وہ علی گڑھ کالج کے سٹاف میں شامل ہو کر ملک و ملت کی خدمت کریں۔ نواب محسن الملک نے اس سلسلہ میں کوشش بھی کی مگر کالج کے پرنسپل تھیوڈور ماریسن کی مخالفت کی وجہ سے آپ کی علی گڑھ کالج میں تقرری نہ ہو سکی۔ اسی دوران میں نواب صاحب رام پور نے انہیں اپنی ریاست میں ملازمت کی پیش کش کی اور آپ کو ریاست میں چیف ایجوکیشنل آفیسر مقرر کیا اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کو رام پور ہائی سکول کا پرنسپل بھی بنا دیا۔ ریاست رام پور میں مولانا محمد علی جوہر نے نہایت خوش اسلوبی سے اپنے فرائض سرانجام دیئے مگر یہاں کی فضا کو ناخوش گوار محسوس کرتے ہوئے ریاست رام پور کی ملازمت کو چھوڑ کر ریاست بڑودہ میں ملازمت اختیار کر لی۔ یہاں محکمہ افیون میں ایک اعلیٰ عہدے پر مقرر ہوئے اس عہدے پر ساڑھے چار سال نہایت ایمان داری، خلوص محنت اور مستعدی سے کام کیا اور سترہ لاکھ روپے کا فائدہ خزانے کو پہنچایا۔ والیٔ ریاست آپ کی غیر معمولی کارگزاری اور حسن کارکردگی سے بڑا متاثر ہوا اور آپ کو ضلع نوساری کا کمشنر مقرر کر دیا۔ اس عہدہ پر بھی آپ نے بہت سی اصلاحات کیں۔ آپ کی طبیعت ملازمت سے بیزار ہو گئی۔ چنانچہ ۱۹۱۰ء میں آپ نے ریاست بڑودہ کی ملازمت کو خیر باد کہا اور خارزار صحافت میں قدم رکھا۔

مولانا محمد علی جوہر نے اپنی ملازمت سے پیشتر ایک مزاحیہ پرچہ انگریزی زبان میں "گپ" کے نام سے نکالا مگر اس کے صرف دو شمارے شائع ہو سکے۔ پہلا شمارہ محمد علی میوزیم جامعہ ملیہ دہلی میں محفوظ ہے۔[۶] ملازمت کے دوران آپ نے مختلف اخبارات میں ملکی معاملات پر مضامین لکھنے شروع کئے۔ یہ سلسلہ خاصا مقبول ہوا۔ ملک کے مؤقر جرائد کی طرف سے آپ کے نام قلمی تعاون کے تقاضے ہونے لگے۔ آپ کے مضامین میں اس وقت کے سیاسی حالات و واقعات پر تبصرہ ہوتا تھا اور مسلمانوں کے مفادات اور حقوق کا تحفظ خاص طور پر آپ کے پیش نظر تھا۔[۷] انگریزی کے مشہور اخبار ٹائمز آف انڈیا میں "موجودہ بے چینی پر چند خیالات" کے زیر عنوان آپ نے

مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا جو بے حد پسند کیا گیا۔ یہ مضامین نومبر ۱۹۰۷ء میں کتابی صورت میں THOUGHTS ON PRESENT DISCONTENTMENT کے نام سے بمبئی سے شائع بھی ہوئے۔[8]

مذہب و ملت کی خدمت کا ایک زبردست اور مؤثر ذریعہ اخبار نویسی ہے اور "جب قلم پہ پوری قدرت اور طبیعت کو مناسبت بھی ہے تو اس ذریعے خدمت کیوں نہ کی جائے"۔[9] یہ سوچتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر نے میدان صحافت میں قدم رکھا اور طے کیا کہ مسلمانوں کو سیاسی مسائل سے واقف کرانے اور ان کی سیاسی تربیت کے لئے اُردو اخبار جاری کیا جائے اور مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کے تحفظ اور ان کی آواز حکومت تک پہنچانے کے لئے ایک انگریزی اخبار نکالا جائے۔ چنانچہ کلکتہ سے انگریزی زبان میں ایک ہفتہ وار اخبار "کامریڈ" جاری کیا جس کا پہلا پرچہ ۱۴ جنوری ۱۹۱۱ء کو شائع ہوا۔ بعد میں یہ اخبار دہلی سے شائع ہونے لگا۔ ۱۹۱۳ء میں مولانا محمد علی جوہر نے ایک اُردو اخبار "ہمدرد" جاری کیا۔

برصغیر پاک و ہند کی صحافت میں کامریڈ کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی وہ بہت کم پرچوں کو نصیب ہوئی۔ "کامریڈ ہر طبقہ میں مقبول تھا۔ اس کے بلند پایہ مضامین کا ڈنکا بجنے لگا۔ اس کے اسلوب کا چرچا ہونے لگا۔"[10] "انگریزوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کامریڈ کی خریدار اس کے مضامین کی عاشق اور اس کے طرز نگارش کی مداح تھی۔ وائسرائے کی بیگم صاحبہ وقتاً فوقتاً ٹیلی فون پر دریافت کراتی رہتی تھیں کہ کامریڈ کس وقت تک چھپ کر ان کے پاس پہنچ جائے گا۔"[11] اور یہی حال صوبے کے حکمرانوں اور ان کے مشیروں کا تھا۔"[12] میر محفوظ علی بدایونی ایک دلچسپ ہدیہ کا ذکر کرتے ہیں کہ سر فلیٹ ووڈ ولسن ہندوستان کے وزیر مالیات جب ولایت جانے لگے تو محمد علی ان سے ملنے گئے۔ باتیں کرتے کرتے وہ محمد علی کو اس کمرے میں لے گئے جہاں ان کا سامان سفر بندھا رکھا تھا۔ کھلوا کر کہنے لگے۔ محمد علی دیکھو! اس میں کیا ہے۔ دیکھا تو کامریڈ کے پرچے تھے کہنے لگے میں لندن پنچ کے ایڈیٹر کے لئے یہ تحفہ لئے جا رہا ہوں۔ محمد علی بولے پنچ کے ایڈیٹر کو تو کامریڈ برا بر جاتا ہے۔ کہنے لگے وہ اور بات ہے۔ میں اپنے دوست سر اوون سیمن ایڈیٹر پنچ کے لئے ان کے مذاق کے لائق اس سے بہتر ہدیہ ہندوستان سے نہیں لے جا سکتا۔ تمہارے اور ان کے طرز تحریر میں ایسی یک رنگی ہے کہ بعض اوقات تمہاری اور ان کی تحریر میں تمیز کرنا مشکل ہے اس کی داد وہی دے سکتے ہیں۔"[13]

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ صحافت میں کامریڈ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس نے نہ صرف مسلمانوں کو سیاسی طور پر بیدار کیا بلکہ ان کے اندر سیاسی شعور بھی پیدا کیا کہ وہ اپنے حقوق اور مفادات کے تحفظ اور نگہداشت کے لیے سیاسی جمود کو ختم کر کے عملی سیاست کے طریق کار کو اختیار کریں۔ کامریڈ میں برصغیر کے مسلمانوں کے معاملات اور مطالبات کو واضح طور پر پیش کیا جاتا تھا اور اس کے علاوہ ہندو پریس میں مسلمانوں پر جو اعتراضات کیے جاتے تھے اس کا مدلل جواب بھی دیا جاتا تھا۔[۵]

کامریڈ میں دنیائے اسلام کے واقعات اور معاملات پر بھی مضامین ہوتے تھے۔ جب ۱۹۱۴ء میں لندن ٹائمز نے ایک اشتعال انگیز مقالہ "چوائس آف ٹرکس" کے نام سے شائع کیا۔ جس میں ترکوں کو دھمکیاں دے کر کہا گیا کہ وہ اتحادیوں کے خلاف اعلان جنگ نہ کریں ورنہ ان کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ اس کے جواب میں مولانا محمد علی جوہر نے اسی عنوان کے تحت ایک طویل مضمون چالیس گھنٹے لگاتار محنت شاقہ برداشت کر کے سپرد قلم کیا۔ جس میں برطانوی حکومت کی ترکی کے ساتھ کی گئیں زیادتیوں کو بیان کیا گیا۔ اس مضمون کے متعلق آپ کے احباب نے مشورہ دیا کہ اس وقت ایسا مضمون شائع نہ کیا جائے مگر مولانا محمد علی جوہر نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ میں نے اپنی موت کے وارنٹ پر دستخط کیے ہیں مگر اب میں رائے قائم کر چکا ہوں۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"[۶] یہ مضمون کامریڈ میں شائع ہوا جس کی پاداش میں اخبار کی ضمانت کی ضبطی کے احکامات صادر ہوئے۔ مولانا محمد علی جوہر نے اس کے خلاف اپیل کی اور عدالت میں مقدمہ کی پیروی بذات خود کی۔ اس مقدمہ کا ذکر کرتے ہوئے میر محفوظ علی بدایونی رقم طراز ہیں کہ کامریڈ کی ضبطی ضمانت کے سلسلہ میں محمد علی نے عدالت میں خود بحث کی اور دوران بحث وکیلوں اور بیرسٹروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے اور ہر شخص دم بخود تقریر سن رہا تھا۔ باہر نکلے تو ہر ہندو مسلمان وکیل بیرسٹر کے منہ سے بہ یک زبان یہی نکلا۔ محمد علی کاش آپ بیرسٹر ہوتے۔ محمد علی نے جواب دیا۔ اب بھی جو کچھ ہوں اس کی کون سی قدر ہو رہی ہے جو بیرسٹری میں ہوتی۔"[۷] بالآخر اخبار کی ضمانت ضبط ہوئی اور مولانا محمد علی جوہر بمعہ اپنے بڑے بھائی مولانا شوکت علی نظر بند ہوئے۔

جون ۱۹۱۳ء میں مولانا محمد علی جوہر نے اردو روزنامہ "ہمدرد" جاری کیا۔ ہمدرد اردو صحافت میں نمایاں

حیثیت کا حامل ہے۔ ہمدرد ہندوستان کا پہلا اُردو روزنامہ تھا جس نے براہ راست ایسوسی ایٹڈ پریس اور رائٹر کی خدمات حاصل کی تھی[۱۸] مولانا محمد علی جوہر نے اُردو صحافت کو جو کچھ دیا وہ تاریخ صحافت میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے اُردو صحافت کو لیتھو کی چھپائی سے نجات دلا کر اُردو ٹائپ اختیار کرنے کے لئے عملی قدم اٹھایا[۱۹]۔ اس کے مضامین شاندار ہوتے تھے۔ خبریں بڑی عمدگی سے ترتیب دی جاتی تھیں۔ صحت واقعات کی طرف خاص دھیان دیا جاتا تھا۔ ہمدرد نے رائے عامہ کی عکاسی ہی نہیں کی بلکہ اس کے لئے رہنمائی بھی کی[۲۰]۔ اس کے سامنے سارے اُردو اخبار ماند پڑ گئے یہی چند در چند اور گوناگوں خصائص تھے جن کی بنا پر ہمدرد ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا اور جنگ کے زمانے میں تو اس کی اشاعت بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ یہی وہ پہلی معراج تھی جو ہمدرد کو حاصل ہوئی اور اس کے بعد سے آج تک کوئی اخبار ہندوستان کی اُردو صحافت میں اپنی کثرت اشاعت کا ایسا نمونہ نہیں پیش کر سکا[۲۱]۔

مولانا محمد علی جوہر نے صحافت کے ذریعے لوگوں میں عام بیداری پیدا کی۔ ان کے حقوق کا تحفظ کیا اور ان کے مفادات کی نگہداشت کی۔ مولانا محمد علی جوہر کے پیش نظر صرف یہی مقصد تھا کہ صحافت کے ذریعے ملک و ملت کی خدمت کی جائے۔ جیسے کہ خود انہوں نے ۲۳ جنوری ۱۹۲۸ء کے ہمدرد میں "میری صحافت" کے زیر عنوان لکھا کہ

"میں صحافت کو تھوڑا بہت جانتا ہوں لیکن صحافت کو میں نے کبھی بھی منتہائے مقصود نہیں سمجھا ملک و ملت کی خدمت کا ایک ذریعہ سمجھ کر کامریڈ نکالا تھا اور اس غرض سے اب ہمدرد نکل رہا ہے اور خدا کرے کہ جلد پھر کامریڈ بھی نکل سکے۔ اس لئے میں صحافت میں بعض اوقات وہ طریقے استعمال کر لیا کرتا ہوں جنہیں عام طور پہ بدعت سمجھا جاتا ہے ..... صحافت سے میری غرض صحافت نہیں ہے۔ ملک و ملت کی خدمت ہے اور اگر ایک مختصر مضمون سے صحیح طور پہ ملک و ملت کی رہنمائی ہو سکتی ہے تو میں وہ بھی لکھ سکتا ہوں اور لکھوں گا۔ لیکن اگر انیس نہیں اٹھ تیس کالموں کے مضمون سے صحیح رہنمائی ہو سکتی ہے تو میں اتنا طویل مضمون بھی لکھ سکتا ہوں اور ضرور بالضرور لکھوں گا۔ غرض ملک و ملت کی خدمت ہے جس طرح بہترین طریقے پہ ملک و ملت کی خدمت ہو سکے گی انشاء اللہ کی جائے گی۔"

مولانا محمد علی جوہر کی صحافتی زندگی کے ذکر کے سلسلہ میں نامناسب نہیں ہوگا۔ اگر مولانا محمد علی جوہر کا وہ نظریۂ صحافت پیش کر دیا جائے جس پر عمل پیرا ہو کر کامریڈ اور ہمدرد نے برصغیر کی صحافت میں اپنے غیر فانی نقوش چھوڑے۔ مولانا محمد علی جوہر ابھی ریاست بڑودہ کی ملازمت ہی میں تھے کہ ٹائمز آف انڈیا میں کبھی کبھی مضمون لکھا کرتے تھے کہ ان ہی دنوں انکے ایک شناسا نظام الدین نے ایک اخبار نکالنا چاہا اور آپ سے مشورہ طلب کیا۔ اس کے جواب میں آپ نے یہ اصول پیش کیے جو ایک اخبار نویس کے لیے آج بھی مشعل راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ آپ نے تحریر کیا کہ اخبار کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ۔

۱۔ ذاتیات سے بالکل مبرا ہو نہ کسی دشمن کے خلاف کچھ لکھا جائے نہ خواہ مخواہ دوستوں کی تعریف کے قصیدے لگائے جائیں۔

۲۔ کسی شخص یا اخبار کی رائے کے خلاف کچھ لکھنا ہو تو وہ مخالفت محض رائے تک رہے۔ ذات کا حصہ شامل نہ ہو۔

۳۔ جو کچھ لکھا جائے عبارت آرائی کے خیال سے نہیں نہ لوگوں سے چٹکیاں لینے کی غرض سے بلکہ متانت سے اور نہایت سنجیدگی سے۔

۴۔ جہاں تک ممکن ہو وہی خبریں چھاپی جائیں جو انگریزی ڈیلی چھاپتے ہیں اگر اس سے زیادہ کوئی لوکل یا باہر کی خبریں چھاپنی ہوں تو اس کے راوی کا ثقہ ہونا سب سے ضروری ہے۔

۵۔ اخبار کا مقصد اپنی قوم کو نفع پہنچانا ہونا چاہیے نہ کہ دوسری قوم کو نقصان پہنچانا۔ اس لیے دوسروں کے رنج پر اپنے کو خوش نہ ہونا چاہیے خصوصاً ہنود پر بے جا حملہ نہ کرنا چاہیے انکے حملہ کا دفعیہ ضروری ہے۔

۶۔ اخبار خبروں کا مجموعہ ہوتا ہے لہٰذا زیادہ تر خبروں کا حصہ ہونا چاہیے۔

۷۔ مضامین میں ایک ایڈیٹوریل ہو۔ کسی ایسے مضمون پر جو اس زمانہ میں زیر بحث ہو اور یہ مضمون اخبار بھرنے کی غرض سے نہ لکھا گیا ہو بلکہ ایسا ہو کہ جس کا لکھا جانا نہایت ضروری تھا۔ مضمون پولیٹیکل ہو خواہ سوشل خواہ تعلیمی خواہ تجارتی۔

۸۔ ایڈیٹوریل نوٹ حال کے واقعات اور خبروں پر اپنی رائے زنی کے لیے ہیں۔ اس لیے اسی کام میں آنا چاہیے۔

۹- ایک مضمون کسی اور کا بھی ہونا چاہیئے خواہ وہ کسی خبر کے متعلق ہو یا کسی مستقل مضمون پر۔

۱۰- مختلف مقامات پر چند مضمون نگار دوستوں یا تنخواہ داروں کا بندوبست کرنا چاہیئے جو مہینہ میں ایک مرتبہ آدھے کالم میں آسکے۔

۱۱- خطوط وہی چھاپے جائیں جو واقعی کسی ضرورت سے لکھے گئے ہوں نہ کہ نامہ نگاروں کی جودت طبع کے اظہار کے لئے۔

۱۲- اخبار مذہبی بحث سے بالکل معرا و مبرا ہو۔

۱۳- ایڈیٹر کو خود تمام مسئلوں پر غور کرنا اور دوسرے اخباروں اور کتابوں سے واقفیت حاصل کرنا لازم ہے۔ آپ کو یہ نہیں معلوم ہے کہ روزانہ اخبار کا ایڈیٹر کس قدر سخت محنت کرتا ہے۔ خود مجھے مصر کے متعلق کچھ لکھنا ہے روزانہ اخبارات سے بہت سے واقعات معلوم ہوتے رہتے ہیں مگر تین چار کتابیں شروع سے آخر تک پڑھی ہیں تب جاکر ایک دو کالم کا مضمون لکھ سکوں گا۔ اگر قلم برداشتہ لکھنا چاہوں تو بہت آسان ہے مگر پڑھنے والے کو مشکل ہے۔"(۲۲)

مولانا محمد علی جوہر کے نظریہ صحافت کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے کامریڈ (۶ جنوری ۱۹۱۲ء) سے مندرجہ ذیل اقتباس کا مطالعہ بھی بہتر رہے گا۔

"صحافی سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ واقعات کو پوری صحت سے درج کرے۔ اسے خیال رکھنا چاہیئے کہ واقعاتی صحت کا معیار اتنا بلند ہو کہ مورخ اس کی تحریروں کی بنیاد پر تاریخ کا ڈھانچہ کھڑا کر سکے۔ صحافی رائے عامہ کا ترجمان ہی نہیں راہنما بھی ہوتا ہے۔ اسے صرف عوام کے دعاوی کی تائید و حمایت نہیں کرنی چاہیئے بلکہ صحافتی منبر سے عوام کو درس بھی دینا چاہیئے۔"

حوالہ جات

۱- روزنامہ ہمدرد دہلی ۱۷ جون ۱۹۲۷ء

۲- تحریک پاکستان از محمد جہانگیر عالم صفحہ نمبر ۱۲۰

۳ - مولانا محمد علی جوہر از فرحت شاہجہان پوری صحیفہ اکتوبر ۱۹۶۶ء صفحہ نمبر ۵۲ -

۴ - سیرت محمد علی از رئیس احمد جعفری صفحہ نمبر ۲۵۷

۵ - صحیفہ اکتوبر ۱۹۶۶ء صفحہ نمبر ۵۶ -

۶ - سیرت محمد علی از رئیس احمد جعفری صفحہ نمبر ۲۵۴

۷ - تحریک پاکستان از محمد جہانگیر عالم صفحہ نمبر ۱۲۱

۸ - طنزیات و مقالات سید محفوظ علی بدایونی مولفہ محمد محی الدین بدایونی صفحہ نمبر ۱۱۲

۹ - ایضاً صفحہ نمبر ۹۹ - ۱۰۰ -

۱۰ - تحریک پاکستان از محمد جہانگیر عالم صفحہ نمبر ۱۲۲ -

۱۱ - صحیفہ اکتوبر ۱۹۶۶ء صفحہ نمبر ۵۸ -

۱۲ - طنزیات و مقالات سید محفوظ علی بدایونی مولفہ محمد محی الدین بدایونی صفحہ نمبر ۱۱۰ -

۱۳ - سیرت محمد علی از رئیس احمد جعفری صفحہ نمبر ۲۲۹ -

۱۴ - ایضاً صفحہ نمبر ۲۳۰ -

۱۵ - تحریک پاکستان از محمد جہانگیر عالم صفحہ نمبر ۱۲۲

۱۶ - طنزیات و مقالات سید محفوظ علی بدایونی مولفہ محمد محی الدین بدایونی صفحہ ۱۱۰ -

۱۷ - سیرت محمد علی از رئیس احمد جعفری صفحہ نمبر ۲۸۳ -

۱۸ - ایضاً صفحہ نمبر ۲۷۲ -

۱۹ - صحافت ہند و پاکستان میں از ڈاکٹر عبدالسلام خورشید صفحہ نمبر ۳۷۰ -

۲۰ - ایضاً صفحہ نمبر ۳۷۱ -

۲۱ - سیرت محمد علی از رئیس احمد جعفری صفحہ ۲۷۲ -

۲۲ - ایضاً صفحہ نمبر ۲۶۹ - ۲۷۲ -